© rasailojaraid.com

ڈاکٹر محمدؐ بشیر حسین*

کلام محمود کے نادر لغات و اصطلاحات

مولانا محمود لاہوری ، جو بخیر و خوبی ۱۰۰۸ھ تک بقید حیات تھے، کے شہرۂ آفاق رسالہ 'محمود نامہ' سے کون واقف نہ ہوگا ، اس کے باوصف خود شاعر کے احوال و آثار سے کم ہی لوگ آشنا ہوں گے ، یہاں تک کہ مولانا کے معاصر تذکرہ نگار امین احمد رازی نے بھی اعتراف کیا ہے کہ ''از غث و ثمین احوالش اطلاعی ندارد''۔[1]

محمود شہنشاہ اکبر (۹۶۳-۱۰۱۴ھ) کا معاصر تھا ۔ لاہور ہی کے کسی محلے میں گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتا تھا اور حضرت فریدالدین گنج شکر متوفی ۶۶۴ھ کا معنوی مرید تھا ۔ 'محمود نامہ' جو در اصل بیت بازی کے لیے ترتیب دیا گیا ایک رسالہ ہے ، ۹۸۲ھ میں مکمل ہوا ۔[2] اس کے بعد ۱۰۰۷ھ میں محمود نے 'عاشق و معشوق' کے نام سے ایک مثنوی کہی جو 'مخزن الاسرار' نظامی اور 'مطلع الانوار' خسرو کے تتبع میں لکھی گئی ہے اور اس سے اگلے سال یعنی ۱۰۰۸ھ میں ایک دوسری مثنوی 'ہفت کشور' مکمل کی جو مولانا نظامی گنجوی کی 'ہفت پیکر' اور حضرت امیر خسرو کی 'ہشت بہشت' کے جواب میں ہے ۔ واحد قلمی نسخوں کی بنیاد پر یہ دونوں مثنویاں پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ فارسی کی طرف سے عنقریب شائع ہو رہی ہیں ۔ ان مثنویوں کے تمام اشعار کا جو زیور طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں ، بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوا کہ ان میں متعدد الفاظ و کلمات ایسے بھی آئے ہیں جنہیں یا تو شاعر نے نادر معنوں میں استعمال کیا ہے یا وہ شعر و ادب میں بہ ندرت استعمال ہوتے ہیں ۔ اساتذہ کرام تو یقیناً ان نادر معانی سے بتمام و کمال واقف اور یہ سارے نکات ان کے ہاں مستحضر ہی ہوں گے لیکن اس خیال سے کہ عام قاری اور طالب علم بھی ان سے مستفید ہو سکیں، انہیں یکجا بیان کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ۔ ہر شعر کے سامنے درج اعداد سے مراد مثنویات محمود کا صفحہ اور سطر ہے ۔

۱۔ آرد : وگرنہ ما نمی آریم گفتن در ناسفتۂ اسرار سفتن (۳ : ۲۴)

عموماً 'آرد' کو آوردن کے مضارع 'آورد' کا مخفف سمجھا جاتا ہے ۔ لیکن اس

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر آف سپوکن ایرانین ، پنجاب یونیورسٹی ، لاہور

۱۔ ہفت اقلیم ، تہران ۱۳۴۴ھ ش ، ص ۳۴۵ ۔

۲۔ مثنویات محمود ، لاہور ۱۹۷۹ء ، ص ۱۶ اور پاکستان مصور ، (مجلہ) اسلام آباد ، جون ۱۹۷۸ء ، ص ۲۴ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شعر میں یہ لفظ ''آرستن'' مصدر کے مضارع کے طور پر آیا ہے ، جو فارسی ادب میں بہت ہی کم استعمال ہؤا ہے -

یہ مصدر ، یارستن بمعنی توانستن کی ہم معنی ہے اسی بنا پر فرہنگ نویس حضرات نے 'یارد' کو جو یارستن کا مضارع ہے اس کی جگہ نقل کیا ہے اور 'آرستن' کے مضارع کی ایسی واضح مثال ہمیں کسی فرہنگ میں نہیں مل سکی -

۲- **بند باف ، بند کارد :** کہ یکی **بند باف** بر سر راہ
گذرانیدہ بند کارد بشاہ (۶۸ : ۱۳)

موٹے دھاگے یا رنگین ڈوروں وغیرہ سے بنے ہوئے کمر بند یا پیٹی کو کہا جاتا رہا ہے ، جس کے ساتھ چھری یا تلوار وغیرہ کے دستے کو باندھ کر کمر سے لٹکایا جا سکے - ایسا بند بننے یا بنانے والے کو 'بند باف' کہا جاتا ہے - فارسی ادب میں 'بند شمشیر' بھی آیا ہے -

مثلاً آرزو نے تأثیر کا یہ شعر نقل کیا ہے :

فسون شیوۂ قطع تعلق کرد تسخیرم اسیر جوہر مردی بسان **بند شمشیرم**[1]

وارستہ اور مولوی عبدالغنی نے 'بند در بند قبا بافتن' کی اصطلاح بھی لکھی ہے اور مثال کے طور پر سلیم تہرانی کا یہ شعر نقل کیا ہے :

بر سر کوی تو جمعند پریشانی چند بند در بند قبا بافتہ عریانی چند[2]

یہ اصطلاح 'بند بافتن' سے بالکل مختلف ہے اور کنایہ ہے 'بہت سے لوگوں کے ایک جگہ جمع ہونے کا ،

۳- **بود :** اگر موجود **بود** او نبودی کجا بودی ازین عالم‌وجودی (۲ : ۷)
توئی ای عشق مقصود دوعالم شدہ از **بود** تو **بود** دو عالم (۱۴ : ۱۱)

ان اشعار میں یہ لفظ 'ہستی' (بمقابل عدم) کے معنوں میں استعمال ہؤا ہے جسے 'ہونا' یا 'وجود میں آنا' بھی کہا جا سکتا ہے - اساتذہ کے ہاں یہ لفظ اپنے عمومی مفہوم (تھا) کے الٹ 'ہے' یا 'موجود ہے' کے معنوں میں بھی آتا ہے - مثال کے طور پر یہ شعر ملاحظہ ہو ، جو شاید جامی علیہ رحمہ کا ہے :

الٰہی عاقبت محمود گردان بلای **بود** را **نا بود** گردن

یعنی جو بلا 'موجود ہے' اسے نابود (ایسے جیسے کبھی نہ تھی) کر دیجیے یا جو بلا 'ہے' اسے 'نہیں ہے' کر دیجئے - اسی طرح '**نیست و نابود**' کی حسین ترکیب میں

۱- رک : چراغ ہدایت -

۲- ارمغان آصفی ج ۲ ، ص ۶۱ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی جو متعدد صوری اور معنوی صنعتوں کا مجموعہ ہے، نابود ، کا لفظ 'نیست' کے مترادف استعمال ہوتا ہے - کبھی یہ ترکیب 'نیست و نابود' کے بجائے ''بود و نابود'' کی صورت میں بھی استعمال ہوتی ہے - مثلاً وحشی بافقی متوفی ۹۹۱ھ کا یہ شعر :

بگفت از عشقبازی چیست مقصود بگفتا رستگی از بود و نابود

(دیوان وحشی تہران ۱۳۳۹ھ ش، ص ۵۴۳)

یعنی جو موجود ہے اس سے بھی اور جو نہیں ہے اس سے بھی (دنیا و مافیہا) خلاصی کی ضرورت ہے - رائج ایرانی محاورے میں بھی بعض اوقات 'بود' بمعنی 'است' استعمال ہوتا ہے مثلاً بس کا کنڈکٹر ہر سٹاپ پر سواریوں سے مخاطب ہو کر باآواز بلند پوچھتا ہے : ''نبود؟'' یعنی کوئی ہے کہ نہیں ہے جو اترنا چاہتا ہو؟ کبھی کسی دفتر میں جائیں تو دفتر والے پوچھتے ہیں : سوالی بود؟ یعنی کوئی کام ہے؟ اس بحث کی مزید تفصیلات کو ''فعل مضارع در زبان فارسی'' صفحہ ۹۳ پر دیکھا جا سکتا ہے جہاں 'ماضی بجائے مضارع' کے عنوان سے مفصل بیان کیا گیا ہے -

اس کے علاوہ 'بود' کے ایک بہت ہی نادر معنی 'باشد' یعنی 'ہوگا' کے بھی ہوتے ہیں مثلاً وحشی بافقی کا یہ بیت :

وزان غافل کہ تا گیتی بپا **بود** مکافات جفا کاری جفا **بود**

(دیوان وحشی، ص ۵۴۱)

یعنی جب تک دنیا رہے گی ظلم کا بدلہ ظلم ہی رہے گا -

۴- پاک : بآب دیدہ ہایش **پاک** شستند
کفن از پردہ ہای دیدہ جستند (۳۲ : ۲۱)

عموماً یہ لفظ 'پلید' کے الٹ ، پاکیزہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے لیکن اس شعر میں تمام ، سربسر اور پوری طرح ، کی بجائے آیا ہے - یعنی کلیتاً اور پوری طرح دھو ڈالا -

شیخ سعدی کے ہاں بھی یہ کلمہ انھی معنوں میں آیا ہے :
کہ خانمان من آن شوخ دیدہ پاک بُرفت[1]

یعنی پوری طرح جھاڑو دے دیا ، لوٹ لیا -

اس کے علاوہ کبھی یہ لفظ 'ختم ہو جانے یا انجام کو پہنچنے' کے لئے بھی آتا ہے مثلاً میر نجات کا یہ شعر :

چہ بہشتی است کہ آن شوخ غضبناک شود
از نگاہی بکشد کشتی ما **پاک** شود[2]

۱ ، ۲- آنند راج زیر کلمہ' پاک -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس مفہوم میں یہ لفظ نادر الاستعمال ہے ۔

۵- جمع : توگر پروانۂ آن شمع گردی براہ عشق شمع جمع گردی (۲ : ۲۲)
دلم پروانۂ آن شمع گردد ز سوز عشق شمع جمع گردد (۱۲ : ۴)

یہاں یہ لفظ ، قرآنی کلمہ 'جمیع' کے معنوں میں استعمال ہؤا ہے مثلاً (خلق لکم ما فی الارض جمیعا (بقرہ ، ۲ : ۲۹) اور ان العزۃ للہ جمیعاً (نساء ، ۴ : ۱۳۹ ، یونس ، ۱۰ : ۶۵)
بمعنی سب یا سارے لوگ یا عامۃ الناس یا سب اہل بزم یا تمام حاضرین مجلس وغیرہ ۔

اس لفظ کو اکثر اساتذہ نے انھی معنوں میں استعمال کیا ہے مثلاً ہلالی چغتائی متوفی ۹۳۶ھ کا یہ شعر :

ز قہر و لطف او در حلقۂ جمع گہی گریان گہی خندان بود شمع[1]

بعض اوقات یہ لفظ 'اطمینان' کے لئے آتا ہے جیسے 'خاطر جمع' اور 'جمعیت خاطر' وغیرہ اور کبھی مطمئن کے معنوں میں ۔ مثال کے طور پر مولانا محمود ہی کے قصیدے کا ایک شعر ہے :

ز تفرقہ بود این نظم سست ورنہ یقینست کہ فکر جمع کی انگیزد این چنین اشعار[2]

پہلے مصرع میں 'تفرقہ' بمعنی پریشان حالی' استعمال ہوا ہے ۔

۶- چار میخ کردن : زود کردند چار میخ او را
وز دم استرہ ز سر تا پا
آنچنان ساختند مجروحش
کہ ز درد آمدہ بلب روحش (۱۰۳ : ۱۴)

قدیم ادوار میں دستور تھا کہ جب کسی مجرم کو بدنی سزا دینی ہوتی تو زمین پر یا دیوار پر مربع یا مستطیل شکل میں چار مضبوط کیل یا میخیں گاڑ دیتے تھے اور مجرم کی کلائیوں کو اوپر والی دو میخوں کی رسیوں سے باندھ دیتے تھے اور ٹخنوں کو نیچے والی میخوں کی رسیوں سے ۔ اس کے بعد زمین یا دیوار کے بجائے لکڑی کے چوکھٹے سے باندھنے لگے جو آج تک رائج ہے ۔

'چار میخ حیات' عناصر اربعہ (آگ ، پانی ، مٹی ، ہوا) کو بھی کہتے ہیں ۔ خان آرزو نے 'بر چار میخ کشیدن' بھی درج کیا ہے بمعنی شکنجہ میں کسنا ۔ انھوں نے اشرف کا یہ شعر سند کے طور پر نقل کیا ہے :

۱- دیوان ہلالی ، تہران ۱۳۳۷ ھ ش ، ص ۲۷۷
۲- مآثر رحیمی از عبدالباقی نہاوندی ، کلکتہ ۱۹۳۱ء ، ۳ : ۱۳۷۲ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصل قانون شریعت کا حتساب شرع او
میکشد آہنگ را بر چار میخ چار یار[1]

۷- چشم زخم : چشم زخمی ز حاسدش مرساد
بہ النبی و آلہ الامجاد (۱۶ : ۵۶)

معنی کے اعتبار سے اصل ترکیب 'زخمِ چشم' تھی جو مضاف اور مضاف الیہ کے قلب (الٹ جانے) سے 'چشم زخم' (بغیر اضافت کے) بنی - ایسے مواقع پر پہلے لفظ کی اضافت حذف ہو جاتی ہے جسے فک اضافت کہا جاتا ہے - مثال کے طور پر سر درد اور شکم درد وغیرہ جو دراصل 'دردِ سر' اور 'دردِ شکم ، تھے -

زخم بمعنی خال اور 'سیاہ داغ' بھی استعمال ہوتا ہے چنانچہ نظامی عروضی نے اسے انھی معنوں میں استعمال کیا ہے -[2] چشم زخم ، یعنی وہ داغ اور ضرر جو کسی کی آنکھ کسی کو لگا دے اور پہنچا دے - فارسی ادب میں یہ اصطلاح مجازاً نظر بد اور چشم بد کے لئے استعمال ہوتی ہے -

یہ اصطلاح اکثر فرہنگوں میں مذکور نہیں ہے - آنند راج میں اس کی صرف ایک مثال املائی سہو کے ساتھ درج ہوئی ہے جو وحشی بافقی (متوفی ۹۹۱ھ) کی طبع موزوں کا نتیجہ ہے - چونکہ فارسی ادب میں 'چشم شور' چشم زخ اور چشم زدن بھی انھی معنوں میں مستعمل ہیں لہذا 'چشم زخم' کی اصطلاح کثیر الاستعمال معلوم نہیں ہوتی - اس بنا پر ہلالی چغتائی (متوفی ۹۳۶ھ) کے ہاں سے ایک مثال اور نقل کی جاتی ہے :

ہیچ رنجی بدست تو مرساد چشم زخمی بہ شست تو مرساد[3]

نظامی عروضی رقم طراز ہے :

در سنہ سبع و اربعین و خمسمائہ کہ میان سلطان سنجر و خداوند من .... مصاف افتاد و لشکر غور را چنان چشم زخمی افتاد کہ ...[4]

۸- حضرت : گفت با خاصگان درگاہی
با وکیلان حضرت شاہی (۲۴ : ۵۸)

عربی الاصل لفظ ہے جس کے معنی ہیں 'حاضر ہونا' - فارسی ادب میں یہ لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا رہا ہے - ایک 'دارالخلافہ' اور دوسرے 'دربار' یعنی حاضر

۱- چراغ ہدایت ، لکھنئو ۱۸۹۱ء -
۲- رک : چہار مقالہ بتصحیح معین ، ص ۱۷
۳- دیوان ہلالی ، تہران ۱۳۳۷ھ ش ، ص ۲۴۵
۴- رک : چہار مقالہ ، بتصحیح معین ، ص ۱۳۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہونے کی جگہ۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ بادشاہ اپنے مستقل دارالحکومت سے کچھ وقت کے لئے کسی دوسرے مقام پر چلا جاتا تھا۔ جہاں بادشاہ ہو اس کا عارضی دربار یا صدر مقام بھی 'حضرت' ہی کہلاتا تھا چنانچہ نظامی عروضی نے بھی ایک جگہ انھی معنوں میں استعمال کیا ہے۔[۱]

''چون **بحضرت** چغانیان رسید بہارگاہ بود و امیر بداغگاہ . . . و عمید اسعد . . . **بحضرت** بود و نزلی راست می کرد تا در پی امیر برد۔''

اسی رعایت سے یہ لفظ کلمہٴ احترام بنا یعنی مکان کے علاوہ مکین یا دربار کے علاوہ دربار والے کے لئے بھی استعمال ہونے لگا اور آج ہم تمام انبیائے کرام، صحابہ عظام اور بزرگ ہستیوں کے اسمائے گرامی سے پہلے اکرام و احترام کے طور پر لکھتے بولتے ہیں۔ اس شعر میں 'حضرت شاہی' سے مراد 'دربار شاہی ہے'۔

دربار و درگاہ کے معنوں میں یہ لفظ چونکہ زیادہ استعمال نہیں ہوتا اس لئے آنند راج، بہار عجم اور سٹین گاس وغیرہ میں اس لفظ کے نادر معنی تو دیئے ہیں لیکن مثال مقصود ہے۔ مذکورہ منثور مثالوں کے علاوہ یہ لفظ اساتذہ کے فارسی اشعار میں بھی آیا ہے مثلاً انوری کہتا ہے:

آفرین بر **حضرت** دستور و بر دستور باد
جاودان چشم بد از جاہ و جاہش دور باد[۲]

شیخ سعدی فرماتے ہیں:

سلطان کہ خشم گیرد بر بندگان **حضرت** حکمش رود ولیکن حدی بود جفا را[۳]

۹۔ حلال خوار :
بسکہ جانش ز غم فگار شدہ
آشنا با **حلال خوار** شدہ (۷ : ۷۷)

حلال خور :
بچہ را بسکہ آن تمنا کرد
زود رفت آن **حلال‌خور** آورد (۱۲ : ۷۷)

فرہنگوں میں یہ لفظ زیادہ نہیں ملتا، صرف سٹین گاس میں 'حلال خور' کی صورت میں آیا ہے، جس سے اس کے نادر ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ اس سے نچلے طبقے کے وہ لوگ مراد لئے جاتے ہیں جو عموماً خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ کسی مذہب و مسلک کے قائل نہیں ہوتے اور ان کے نزدیک حلال و حرام میں بھی کوئی تمیز نہیں ہوتی۔ زندہ ہو یا مردہ، چوہا ہو یا چکور، ہر چیز کا کھانا ان کے نزدیک جائز

۱۔ چہار مقالہ، بتصحیح معین، ص ۵۹ و قزوینی ص ۳۶
۲۔ دیوان انوری، تہران ۱۳۳۷ھ ش، ج ۲، ص ۱۰۰۔
۳۔ کلیات سعدی، تہران بتصحیح فروغی، ص ۶۹۵ و سعدی و خسرو، لاہور ۱۹۷۰ء ص ۲ و آخر۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور حلال ہے ۔

مہتر اور خاکروب بھی چونکہ اکثر ایسے ہی طبقوں سے تعلق رکھتے تھے اس لئے انھیں بھی حلال خور یا حلال خوار کہا جانے لگا ۔

'حلال خور' کے ساتھ 'حلال خوار' کہنا محمود کی جدت ہے اور شاید اس کی مثال فارسی ادب میں مشکل ہی سے ملے گی ۔

۱۰۔ **دستار خوان :** شد ز دستار خوان گونا گون
همه روی بساط بو قلمون (۹۵ : ۱۴)

اصل میں یہ مرکب کلمہ بھی 'دستارِ خوان' تھا یعنی وہ پگڑی جو خوان کے طور پر استعمال کی جائے۔ وہ کپڑا جس پر آج بھی بعض گھرانے کھانا چنتے ہیں چونکہ لمبائی چوڑائی میں تقریباً پگڑی جتنا ہی ہوتا ہے لہذا اسے بھی 'دستار' ہی کہتے تھے۔ جب یہ ترکیب عام استعمال ہونے لگی تو معاشرے کے ذوق اور تسہیلی رجحان نے جہاں 'دستار' کی اضافت کو حذف کیا ، وہاں اس لفظ کی مخفف صورت کو بھی رواج دیا اور یوں یہ لفظ آج 'دستر خوان' کی صورت میں رائج ہے ۔ چنانچہ صاحب غیاث نے بھی 'دستر خوان' کو 'دستار خوان' کی مخفف صورت ہی لکھا ہے اور مثال نہیں دی ۔ شاعر نے اس کی یہ نادر اور قدیم صورت شعری ضرورت کی وجہ سے استعمال کی ہے یا ممکن ہے اس زمانے میں 'دستار خوان' ہی زیادہ رائج ہو ۔

فرہنگ آنند راج میں بہار عجم کے حوالے سے اس ترکیب کی چند مثالیں دی گئی ہیں ۔ ان میں سے ایک ثابت کا یہ شعر ہے :

فیض حق گردد نصیب خاکساران بیشتر
نیست بی نعمت اگر **دستار خوان** افتاده است

ادیب طوسی نے فردوسی کے ہاں سے بھی یہ مثال نقل کی ہے :

بمن داد ازین گونه **دستار خوان** که بر من جهان آفرین را بخوان[۱]

سٹین گاس میں اس کے ایک نادر معنی بھی دیئے ہیں یعنی کھانے پینے کی وہ بچی ہوئی یا پس خوردہ اشیاء جو کسی ضیافت کے بعد مہمان اپنے گھروں کو اٹھا کر لے جائیں ۔

۱۱۔ **دستور :** عقل دستور اوست در ہر کار
فکر مأمور اوست در ہر کار (۳۹ : ۶)
ہر کرا پیر عقل **دستور** است
کشور او ہمیشه معمور است (۳۹ : ۸)

۱۔ رک : فرہنگ لغات ادبی ، تبریز ۱۳۴۵ ھ ش ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ لفظ عام طور پر حکم اور قانون وغیرہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے لیکن مسطورہ اشعار میں 'وزیر' یا مشیر کے بجائے آیا ہے ۔ کلاسیکی ادوار میں بادشاہ لوگ اپنے وزیر با تدبیر یا وزیر اعظم کو 'دستور' ہی کہتے تھے اور دستور کے نام سے ان کے ہاں باقاعدہ ایک عہدہ ہوتا تھا ۔ دراصل یہ لفظ 'دست' اور 'ور' کا مرکب ہے ۔ دست بمعنی مسند اور 'ور' یعنی صاحب ۔ مسند والا یا صاحب مسند وہی ہوتا ہے جسے وزارت جیسا بلند منصب ملا ہو ۔[1] مغلیہ دور میں لفظ دستور کی بجائے 'وزیر' ہی استعمال ہونے لگا ۔ نظامی گنجوی کے ہاں بھی 'وزیر' کے معنوں میں استعمال ہؤا ہے :

مونس خسرو شدہ **دستور** بس　　　خسرو و **دستور** دگر ہیچکس[2]

۱۲ - دُور باش :　　چو نزدیکان بدہ راہم سوی خویش
سزن از **دور باش** غمزہ ام نیش　　(۲۲ : ۱۲)

ایک دو شاخہ نیزہ جو مرصع ہوتا تھا ۔ اسے بادشاہ کی سواری کے آگے آگے لے کر چلتے تھے تاکہ لوگ اسے دیکھ کر راستے سے ہٹ جائیں یا کبھی اس کے اشارے سے لوگوں کو راستے سے ہٹایا جا سکے ۔ عشاق کے نزدیک معشوق بھی ایک طرح کا بادشاہ ہی ہوتا ہے لہذا وہ اس کے ناز نخروں کو دور باش ہی سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ ان کے ذریعے وہ عشاق کو بظاہر دور رکھنا چاہتا ہے ۔ اس شعر میں یہی معنی مراد ہیں ۔ اس اصطلاح کی سب سے زیادہ مثالیں امیر خسرو کے ہاں ملتی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے :

ز تیغ کش بحضورم کہ پادشاہ بتانی　　　**بدور باش** فراقم مکش ز بہر خدا را[3]

اسی رعایت سے دراویش و فقرا بھی اپنے عصا کو دور باش ہی کہتے تھے کیونکہ دنیا داروں اور مجسم شیاطین کو دور بھگانے میں اس سے مدد لیتے تھے ۔ بعض اوقات دور باش کے معنی آہ سرد بھی لئے جاتے ہیں جیسا کہ نظامی گنجوی کے اس شعر سے ظاہر ہے ۔ ان معنوں میں یہ اصطلاح بندرت استعمال ہوئی ہے :

چو دارا جواب سکندر شنید　　　یکی **دور باش** ازجگر بر کشید[4]

۱۳ - دوستگانی :　　داد با شاہ **دوستگانی** را
کام بخشید شادمانی را　　(۷۵ : ۲۲)

---

۱ - رک : شرح مخزن ، نولکشور لکھنئو ۱۸۸۵ء ، حاشیہ ص ۹۱ -
۲ - مخزن الاسرار ، لکھنئو ۱۸۸۴ء ، ص ۹۱
۳ - رک : کلیات خسرو ، تہران ۱۳۴۳ ش ، ص ۱۸
۴ - رک : سکندر نامہ ، قلمی مملوکہ نگارندہ ، برگ ۲۰۵ ب -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اظہار دوستی اور اخلاص و محبت کے لئے جو چیز تحفہ کے طور پر کسی کو پیش کی جائے اسے دوستگانی یا **دوستکانی** کہتے ہیں - چونکہ محبوب اپنے محب کو اکثر جام مشروب ہی دوستگانی کے طور پر پیش کرتے رہے ہیں اس بنا پر بعض فرہنگ نویسوں نے اس لفظ کے معنی ہی شراب کا پیالہ وغیرہ لکھے ہیں ورنہ ضروری نہیں کہ دوستگانی مشروب ہی ہو - کوئی دوسری چیز بھی ہو سکتی ہے **''دوستگان''** معشوق و محبوب کو کہا جاتا ہے - محبوب از راہ محبت و اخلاص جب کوئی مشروب اپنے چاہنے والے کو دیتا تھا تو اسے 'دوستگانی' کہتے تھے -

فارسی ادب میں ایسا ہی ایک لفظ 'مژدگانی' بھی ہے یعنی وہ چیز جو اظہار خوشی کے لئے مژدہ سنانے یا خوشخبری لانے والے کو دی جائے - حافظ علیہ الرحمہ کے اس شعر میں یہ لفظ انھی معنوں میں آیا ہے :

مژدگانی بدہ ای خلوتی نافہ گشای   کہ ز صحرای ختن آہوی مشکین آمد[۱]

محمود کے پہلے مصرع میں با بمعنی بہ (کو) استعمال ہوا ہے -

صاحب غیاث اللغات نے شاہد کے بغیر یہ لفظ دیا ہے البتہ مصطلحات الشعراء میں زلالی کا یہ شعر بھی مثال کے طور پر منقول ہے :

چشم نرگس ناتوانی میدہد   داغ لالہ **دوستگانی** میدہد

صاحب 'معیار جمالی' نے بھی شمس فخری کا یہ شعر نقل کیا ہے :

دوستگانی جملہ بر یادش خورند   روز عشرت دوستان با دوستگان[۲]

۱۴- **ذیل** :   یا در اصلاح آن بجان کوشند
یا **بذیل** عطا خطا پوشند   (۳۲ : ۱۷)

عام طور پر یہ لفظ 'نیچے یا بعد' کے معنوں میں آتا ہے لیکن اس شعر میں اس کے معنی 'دامن' یا 'چادر' وغیرہ کے ہیں یعنی اپنی بخشش و عطا کی چادر سے ہماری خطاؤں کو چھپا لیں - اسی بنا پر بعض شعراء 'ذیل عفو' ذیل کرم اور ذیل بخشش وغیرہ بھی استعمال کرتے ہیں مثلاً امیر خسرو دہلوی کا یہ شعر ملاحظہ ہو :

بعین عفو شستی لوث چرک دیدۂ ہر کس
فرو پوشیدی از **ذیل کرم** وان پردہ ندریدی[۳]

اسی طرح یہ لفظ عین الملک ماہرو (متوفی بعد از ۷۶۴ھ) کی نگارشات میں بھی ملتا ہے ، وہ لکھتے ہیں :

۱- دیوان خواجہ ، بتصحیح قزوینی ، ص ۱۱۹
۲- معیار جمالی ، بتصحیح دکتر صادق کیا ، تہران ۱۳۳۷ھ ش ، ص ۳۴۹
۳- رک : مقالہ ڈاکٹر آفتاب اصغر ''مرثیہ نگاری امیر خسرو'' در 'مجلۂ تحقیق' شمارہ ۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"خطیات و جرائم خلان و احباب در ذیل بخشش . . . پوشید"[1]

اس لفظ کے ایک نادر معنی 'گستاخی کرنے' اور 'دبلا ہو جانے' کے بھی ہیں -

۱۵- رہ عشاق : دمبدم مطربان سیمین ساق
می زدند از نوا رہ عشاق (۵۷ : ۱۵)

موسیقی کی اصطلاح ہے - رہ کے معنی آہنگ کے ہیں جو اساتذۂ فن کے ہاں اکثر استعمال ہؤا ہے - جیسے خواجہ حافظ کا یہ مصرع :

مطرب نگاہ دار ہمین رہ کہ می زنی[2]

یعنی اے مطرب اسی لَے اور سُر میں ساز بجاتا رہ جس میں اب تو بجا رہا ہے - عشاق ایک راگ کا نام ہے جو دو گھڑی دن باقی ہو تو گایا بجایا جاتا ہے - رہ عشاق یعنی وہ آہنگ اور راگ جو 'عشاق' کے نام سے مشہور ہے -

فارسی ادب میں 'رہ عشاق' کی اصطلاح اس قدر نادر الاستعمال ہے کہ 'آنند راج' بہار عجم ، مرأۃ الاصطلاح ، مصطلحات الشعراء ، چراغ ہدایت ، سٹین گاس ، غیاث اللغات ، برہان قاطع ، مدارالافاضل ، منتخب اللغات شاہجہانی جیسی فرہنگوں کے علاوہ جدید دور کی متعدد فرہنگوں مثلاً فرہنگ لغات مثنوی ، از سید صادق گوہرین ، فرہنگ نوادر لغات دیوان شمس از استاد فروزانفر ، شرح مشکلات انوری از ابوالحسن فراہانی اور فرہنگ لغات ادبی از ادیب طوسی، فرہنگ عمید ، لغتنامۂ دھخدا اور فرہنگ معین وغیرہ میں بھی نہیں مل سکی - البتہ اس کی ایک اور مثال ہلالی کی مثنوی 'صفات العاشقین' میں ملتی ہے جو درج ذیل ہے :

رہ عشاق می زد مطرب مست گرفتہ خنجر از مضراب در دست[3]

۱۶- زبر دستی : ہمہ را گفت تا ازین پستی
جا بگیرند بر زبردستی (۹۸ : ۲۵)

'زبر' کا لفظ 'زیر' کے مقابل آتا ہے بمعنی اونچا یا اونچائی اور 'دست' کا لفظ 'جانب یا طرف' کے معنوں میں آیا ہے -

جب کوئی مسافر یا راہگیر کسی سے راستہ پوچھے تو کہتے ہیں کہ فلاں مقام سے دائیں ہاتھ یا بائیں ہاتھ ہو لیں - بعض لوگ کہتے ہیں کہ سیدھے ہاتھ یا الٹے ہاتھ مڑ جائیں - ایسے جملوں میں ہاتھ بمعنی 'طرف' استعمال ہوتا ہے -

اسی طرح فارسی میں ہاتھ کے بجائے 'دست' استعمال کرتے ہیں اور آج بھی بعض

۱- انشای ماہرو ، لاہور ۱۹۶۵ء ، ص ۱۲۹
۲- رک : دیوان حافظ ، بتصحیح قزوینی ، ص ۳۳۹
۳- دیوان ہلالی ، تہران ۱۳۳۷ھ ش ، ص ۳۰۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرات پوچھتے ہیں : کدام دست باید رفت ؟ - یعنی کس طرف کو جانا چاہیے - ایسے ہی کہتے ہیں - آندست خیابان یا ایندست رودخانہ وغیرہ یعنی سڑک کے اس کنارے (طرف) یا دریا کی اس جانب -

لہذا دوسرے مصرعے کا مطلب ہوگا کہ سب لوگ 'اونچائی کی طرف' کسی جگہ پڑاؤ ڈالیں -

ہماری ناقص معلومات کے مطابق تا حال ، سوای سٹین گاس ، کے کسی فرہنگ میں 'دست' بمعنی طرف ضبط نہیں ہوا - سٹین میں چونکہ مثال نہیں ہوتی لہذا بعض اوقات تشنگی رہ جاتی ہے - دست کے ایک نادر معنی 'مسند' بھی ہوتے ہیں مثلاً انوری کہتا ہے :

زہی **دست** وزارت از تو معمور   چنان کز پای موسیٰ پایہ' طور[1]

یہ قصیدہ چونکہ ناصرالدین دستور (وزیر) کی مدح میں ہے اس لئے بعض نسخوں میں 'معمور' کی جگہ 'دستور' آیا ہے ، جسے صاحب آنند راج نے بھی نقل کیا ہے -

جناب ادیب طوسی نے سعدی علیہ الرحمہ کا یہ شعر شاہد کے طور پر نقل کرکے **'زبردست'** کے معنی 'طرف بالای مسند' لکھے ہیں جن کو ماننے میں تأمل ہوتا ہے :

برأی از بزرگان بہش دید و بیش   نشاندش **زبردست** دستور خویش[2]

یہاں اس اصطلاح کے معنی 'برمسند دستور' ہیں نہ کہ 'طرف بالای مسند' -

۱۷- سرکہ فروشی :   دائم از ابروان **سرکہ فروش**
عیش مردم مساز تلخ بگوش   (۵۰ : ۲۵)

سرکہ اپنی کھٹاس کی وجہ سے ترشی کی علامت ہے اور فروختن بمعنی اظہار فارسی ادب میں عام استعمال ہوتا ہے جیسے جلوہ فروشی ، فضل فروشی اور فقر فروشی وغیرہ (اپنے علم و فضل کا اظہار اور اپنی درویشی کا اظہار) - لہذا سرکہ فروشی سے مراد 'اظہار ترشروئی' لیا جائے گا -

فارسی ادب میں یہ اصطلاح قدیم ادوار سے لے کر برابر استعمال ہوتی چلی آ رہی ہے چنانچہ بہار عجم اور آنند راج وغیرہ میں مثالیں بھی موجود ہیں ، تاہم اس اصطلاح کا دور بدور مطالعہ کرنے والوں کے لئے دو ایک مثالوں کا اضافہ کیا جاتا ہے :

مولانا نظامی کا یہ شعر ملاحظہ ہو :

صبح وارم چو دادی اول نوش   از چہ گشتی چو شام **سرکہ فروش**[3]

۱- رک : دیوان انوری ، تہران ۱۳۳۷ھ ش ، ج ۱ ، ص ۲۲۹ -
۲- رک : بوستان ، بتصحیح قریب ، تہران ۱۳۲۸ھ ش ، ص ۱۹ -
۳- رک : ہفت پیکر ، بتصحیح ڈاکٹر معین ، تہران ۱۳۳۸ھ ش ، ص ۱۷۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح مولانا روم فرماتے ہیں :

سرکہ مفروش و ہزاران جان ببین از قناعت غرق بحر انگبین[۱]

۱۸- سلطان : پناہ مملکت سلطان سلیم است
کہ فرش درگہش عرش عظیم است (۲۱ : ۱۰)

کتب لغت میں 'سلطان' کے معنی 'بادشاہ' کے آتے ہیں لیکن ہمیں معلوم ہے کہ مثنوی 'عاشق و معشوق' کے سال تصنیف ۱۰۰۷ھ تک سلیم (جہانگیر) بادشاہ نہیں بنا تھا - جس سے ظاہر ہے کہ یہاں اس لفظ کے معنی بادشاہ نہیں بلکہ کچھ اور ہیں - دراصل مغلیہ دور میں بادشاہ لوگ اپنے شاہزادوں کو 'سلطان' کہتے تھے چنانچہ کئی صدیوں تک فارسی ادب میں یہ لفظ 'شاہزادہ' کے معنوں میں استعمال ہوتا رہا ہے - مندرجہ بالا شعر میں بھی 'سلطان سلیم' سے مراد شہزادہ سلیم ہے -

مولانا محمود کی اس مثنوی کے کوئی پچاس ساٹھ برس بعد ، سعید خان ملتانی نے اپنے ایک قصیدے میں شاہجہان کے بیٹے شہزادہ مراد بخش کے لئے دعائیہ شعر کہا جبکہ وہ گجرات کا حاکم تھا :

سلطان مراد بخش کہ از بہر خطبہ اش
عیسیٰ خطیب می سزد و منبر آفتاب[۲]

ہمیں معلوم ہے کہ مراد بخش ، سعید ملتانی کی زندگی ہی میں راہی ملک عدم ہو گیا تھا اور بادشاہ نہیں بن پایا تھا - لہذا ظاہر ہے کہ یہاں سلطان کا لفظ شاہزادہ کے معنوں میں آیا ہے -

برصغیر کے فارسی ادب میں یہ روایت انگریزی دور تک برابر قائم رہی اور ہم غلام ہمدانی مصحفی متوفی ۱۲۴۰ھ کی 'مجمع الفوائد' میں بھی اس لفظ کی جمع کو انھی معنوں میں استعمال ہوا دیکھتے ہیں[۳] البتہ اس دور میں یہ لفظ جمع کی صورت میں (سلاطین) استعمال ہونے لگا تھا اور معنی مفرد کے لئے جاتے تھے - مثلاً کہتے تھے 'سلاطین' آ رہے ہیں یعنی شہزادہ آ رہا ہے - جس طرح اردو میں اوقات بمعنی حیثیت اور اصول بمعنی ایک قانون استعمال ہوتا ہے - اس کی تصدیق سرسید کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے جو ان کی طرف سے عبدالرزاق کانپوری نے محفوظ کیا ہے - سرسید نے مولانا شبلی کو حضرت داغ کے ایک شعر میں مستعمل اس لفظ کے یہی معنی بتائے -[۴]

۱- رک : مثنوی معنوی ، تہران ۱۳۳۶ھ ش ، ص ۱۱۸
۲- کلیات سعید ، قلمی ، مملوکہ پروفیسر مولوی محمد شفیع مرحوم ، ورق ۱۴ الف
۳- رک : مجمع الفوائد ، قلمی ، مرتبہ ارشاد مرزا ، ص ۲۵ ، ۷۰ ، ۱۳۲ وغیرہ
۴- یاد ایام ، حیدرآباد دکن ۱۹۴۶ء ، ص ۱۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسٹر پرسیول نے بھی اپنی کتاب کے آخر میں 'سلاطین' کے یہی معنی بتائے ہیں ۔[1]

ہماری ناقص معلومات کے مطابق فارسی زبان کی کسی باقاعدہ فرہنگ میں یہ لفظ مذکورہ معنوں میں ضبط و ثبت نہیں ہوا ہے ۔

۱۹- **سور** : دریغا نیست یکسان کار عالم
کہ گاہی **سور** باشد گاہ ماتم (۳۰ : ۱۵)

یہ لفظ سرخ رنگ ، ایک خاص قسم کا گھوڑا اور شریف طبع اونٹ کے لئے بھی آتا ہے ، لیکن اس شعر میں 'ماتم' کے مقابلے میں 'شادی یا عروسی' کے معنوں میں استعمال ہؤا ہے ۔ اس لفظ کے ایک معنی ضیافت اور مہمانی کے بھی ہیں چنانچہ آج کے ایرانی محاورے میں انھی معنوں میں بولا جاتا ہے مثلاً کہتے ہیں : آقا شما در امتحان موفق شدی باید بما سور بدھید ، یعنی آپ امتحان میں کامیاب ہوئے ہیں آپ کو چاہیے کہ ہمیں کوئی ضیافت کھلائیں ۔

فارسی ادب میں یہ لفظ زیادہ تر ضیافت و مہمانی کے لئے ہی آیا ہے ۔ شادی و عروسی بمقابلہ ماتم، اس کی مثالیں کم ملتی ہیں۔ اس لفظ کے ایک نادر معنی ''دیوار'' کے بھی ہیں جو دراصل عربی زبان سے مأخوذ ہیں مثلاً مولانا روم فرماتے ہیں :

جملہ لذات ہوا مکرست و زرق **سور** تاریکی است گرد نور برق[2]

امیر خسرو کے ہاں یہ لفظ 'برچھی کی تیز نوک' کے لئے بھی آیا ہے جو نادر معنی ہیں :

ز سوری کان نہ کم بود از کتارہ جگر میشد **ز سوری** پارہ پارہ[3]

لسانی اصولوں کے مطابق حرف راء ، لام سے بدلتا ہے جس کے نتیجے میں یہ لفظ ''سول'' بنا ، جو پنجابی میں کیکر کے لمبے سے کانٹے اور ''درد قولنج'' کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔

ہندی میں یہ لفظ 'بہادر' کے لئے آتا ہے اور لفظ 'سورما' ، شاید اسی کی ایک شکل ہے ۔

صاحب غیاث کے مطابق لالہ اور اسی طرح کے سرخ پھولوں کو اس رنگ کی وجہ سے 'گل سوری' یعنی سرخ پھول کہتے ہیں ۔

۱- The Twilight of the Mughals P. 233

۲- رک : مثنوی معنوی ، تہران ۱۳۳۶ ھ ش ، دفتر ششم ص ۱۲۴۳ اور 'فرہنگ لغات مثنوی' از سید صادق گوہرین ، تہران ۱۳۴۷ ھ ش ، ج ۵ ، جہاں پہلی بار مثال کے ساتھ درج ہوا ہے ۔

۳- رک : آنند راج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۰- علم سیمیا : که بمن علم سیمیا آموز
دلم از داغ انتظار مسوز (۹۵ : ۲۶)

جادو یا طلسم کا ایسا ایک علم جس کا جاننے والا ہر شکل اختیار کر سکتا ہے اور ایسی چیزوں کو بھی مجسم کر کے دکھا دیتا ہے جن کا اپنا کوئی وجود نہ ہو۔

اس سے کافی حد تک مشابہ ایک علم ریمیا کا ذکر بھی کتابوں میں ملتا ہے جس کا عامل دم بھر میں جہاں چاہے جا سکتا ہے۔

اس سلسلے کا تیسرا علم جو مشہور ہے علم کیمیا ہے۔ حسین واعظ کاشفی کی مطبوعہ 'اسرار قاسمی' اور ایک غیر مطبوعہ 'رسالہ' طوسی'' جیسی کتب انھی علوم سے بحث کرتی ہیں۔ مثلاً مولانا روم کے ان اشعار میں انھی علوم کا ذکر ہے:

کیمیا سازست چہ بود کیمیا معجزہ بخش است چہ بود سیمیا
جادوئی کردت کسی یا سیمیاست یا خلاف طبع تو از بخت ماست[۲]

۲۱- شد : شد پس از چند روز در پیشش
کرد معلوم حالت خویشش (۶۵ : ۲)

فارسی ادب میں 'شدن' بمعنی 'رفتن' بھی اساتذہ کے ہاں برابر استعمال ہوتا رہا ہے اور کتب لغت میں بھی یہ معنی ملتے ہیں۔

مثلاً شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ای مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز
کان سوختہ را جان شد و آواز نیامد[۳]

یعنی اس دل جلے کی جان تو چلی گئی لیکن آواز تک نہ آئی۔

مولانا محمود کے ہاں بھی انھی معنوں میں آیا ہے۔

لیکن اس لفظ کے ایک بہت ہی نادر معنی ''رسیدن'' کے بھی ہیں جو فرہنگ لغات ادبی کے علاوہ نہ کسی دوسری فرہنگ میں ملتے ہیں اور نہ درج ذیل شعر کے علاوہ اس کی کوئی دوسری مثال ہی مل سکی ہے۔ یہ معنی شیخ سعدی کے ہاں محفوظ ہوئے ہیں، فرماتے ہیں:

امروز در فراق تو دیگر بشام شد ای دیدہ پاس دار کہ خفتن حرام شد[۴]

علاوہ ازین کبھی یہ کلمہ ''حد یا وقت گذر جانے اور قابل نہ رہنے'' کے معنوں

۱- رک : فہرست مخطوطات شیرانی ، ۳ : ۵۲۰
۲- رک : مثنوی معنوی دفتر اول ، تہران ۱۳۳۶ھ ش ، ص ۲۶ ، ۴۱
۳- گلستان ، بتصحیح قریب ، ص ۱۴
۴- رک : کلیات سعدی ، تہران ، ص ۷۲۵ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں بھی آتا ہے جو بہت نادر ہیں ۔ خواجہ حافظ کا شعر ہے :

دل دیوانہ از آن شد کہ نصیحت شنود　　مگرش ہم ز سر زلف تو زنجیر کنم[۱]

آنند راج میں شدن کے ایک معنی 'آمدن' بھی لکھے گئے ہیں جو نادر ہیں مثلاً شیخ سعدی کا یہ شعر :

شد موسم سبزہ و تماشا　　بر خیز و بیا بسوی صحرا[۲]

۲۲۔ شیفتہ حال :　　دختر شاہ گشت شیفتہ حال
بازیش برد دختر بقال　　(۹۱ : ۱۸)

فرہنگوں میں یہ لفظ کم ملتا ہے ۔ سٹین گاس اور آنند راج میں بغیر مثال کے لکھا ہے کہ شیفتہ عموماً فریفتہ اور 'حیران' وغیرہ کے معنوں میں آتا ہے لیکن محمود نے اسے 'آشفتہ' کے بجائے استعمال کیا ہے ۔ شیفتہ حال یعنی پریشان حال ۔ البتہ ڈاکٹر معین نے برہان قاطع کے حاشیے میں آشفتہ بھی لکھا ہے ۔ ان معنوں میں اس اصطلاح کا استعمال بہت نادر ہے ۔

۲۳۔ کمر :　　گشت بسیار غیر کوہ و کمر
ہیچ روئی نیافت راہ دگر　　(۱۰۴ : ۱۸)

عام طور پر یہ لفظ 'میان' کے معنوں میں مستعمل ہے ، جیسے 'کمر بستہ' ہو جانا وغیرہ ، لیکن محمود نے اسے 'چٹان' یا 'پتھر کا بڑا ٹکڑا' کے لئے استعمال کیا ہے ۔ اسی لئے کوہ ، کے ساتھ ترکیب ہؤا ہے ۔ یہاں 'غیر کوہ و کمر' آیا ہے یعنی پہاڑوں ، چٹانوں اور پتھریلے علاقوں کے علاوہ بھی وہ بیچاری (جس کنیز کی داستان ہے) بہت سرگرداں رہی ۔

ٹیک چند نے بھی کلیم کا یہ شعر نقل کر کے ان معنوں کی تصدیق کی ہے :

سوارا ز سر فیل کردی گذر　　بد انسانکہ از کوہ غلطد کمر[۳]

حضرت علامہ اقبال نے بھی ایک شعر میں اس ترکیب کو استعمال کیا ہے :

طی نمودم باغ و راغ و دشت و در　　چون صبا بگذشتم از کوہ و کمر[۴]

۲۴۔ گز :　　بہ نزدیکم جوانان کی گز آرند
کہ از پیران جوانان عار دارند　　(۱۱ : ۸)

گز ایک پیمانہ ہے اور گزیدن مصدر کا اسم فاعل مرخم بھی ۔ اس کے علاوہ آس

۱۔ دیوان حافظ ، بتصحیح قزوینی ، ص ۲۳۸ ۔
۲۔ رک : کلیات سعدی ، ص ۵۱۶
۳۔ رک : بہار عجم
۴۔ کلیات اقبال ، تہران ۱۳۴۳ھ (مسافر) ، ص ۴۱۷ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تیر کو بھی کہتے تھے جس کے آگے فولادی نوک وغیرہ نہ ہو اور جسے درمیان سے تھوڑا سا خراش کر نسبتاً پتلا کر لیا جاتا تھا اور یہ تیر کھیلنے کا کام آتا تھا جس سے 'گز اندازی' کی اصطلاح بنی - صاحب بہار عجم نے 'گز کردن' بمعنی پیمائش کرنا بھی لکھا ہے اور حضرت امیر خسرو کا یہ مصرع مثال کے طور پر نقل کیا ہے :

چوب وی ا کسون فلک کردہ گز

لیکن یہاں یہ لفظ ایک شیرینی کے لئے استعمال ہؤا ہے - جھاؤ کے درخت کے تنے سے ایک گوند سی نکلتی ہے جس کی آمیزش سے یہ شیرینی بنتی ہے - اصفہان کے نواح میں یہ درخت زیادہ پایا جاتا ہے جسے ایرانی 'درخت گز' ہی کہتے ہیں - معاصر ایرانی محقق ادیب طوسی بھی لکھتے ہیں : نوعی شیرینی کہ مخصوص اسپہان است[۱] عربی میں اسے طرفا کہا جاتا ہے -

۲۵- مالک رقاب : ندارد ہیچ کس پیش تو تابی
بودگر فی المثل **مالک رقاب** (۱۴ : ۱۰)

رقاب ، رقبہ کی جمع ہے بمعنی گردن اور مراد 'غلام' لیا جاتا ہے - مالک رقاب جو بہت سی گردنوں یعنی غلاموں کا مالک ہو - اس سے مراد بڑی حیثیت کا آقا لیا جاتا ہے - اس شعر میں بھی یہی معنی مراد لئے گئے ہیں - یہ کلمہ دو ایک جگہ انوری کے ہاں بھی انھی معنوں میں آیا ہے :

ای سپہر ملک را اقبال تو صاحبقران وی جہان عدل را انصاف تو مالک‌رقاب[۲]

مالک اس سوداگر کا نام بھی تھا جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں سے خریدا اور پھر مصر کے بازار میں لا کر فروخت کیا تھا - ابو مالک 'بھوک' کو بھی کہا جاتا ہے -

یہ کلمہ فارسی ادب میں کم استعمال ہؤا ہے جس کی وجہ سے کتب لغت میں بھی کم ملتا ہے - غالباً سب سے پہلی بار یہ لفظ ٹیک چند بہار کے ہاں ضبط ہؤا ہے جنھوں نے ظہوری کے اس شعر کو شاہد کے طور پر نقل کرکے اسے درج کیا ہے :

گردنم سرفرازیئی دارد طوق **مالک رقاب** می خواہم[۳]

فرہنگ آنند راج میں بھی صرف بہار کے حوالے سے نقل ہؤا ہے-

ہم نے بھی کچھ جستجو کی تو انوری کے قصاید میں اس کی دو مثالیں ملیں جن میں سے ایک اوپر درج کر دی گئی ہے -

---

۱- فرہنگ لغات بازیافتہ - تبریز ۱۳۴۳ ھ ش

۲- رک دیوان انوری ، تہران ۱۳۳۷ھ ، ج ۱ ، ص ۲۶ -

۳- رک : بہار عجم -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۶- مال و منال : ہمہ مال و منال او بگرفت
نقد ماضی و حال او بگرفت
(۹۱ : ۱۹)

یہ دونوں لفظ الگ الگ مفہوم رکھتے ہیں - منال ، اس اصل زر ، جاگیر یا باغ کو کہا جاتا ہے جس سے نفع یا آمدنی حاصل ہو جبکہ 'مال' ان تمام ذرائع سے حاصل ہونے والی آمدنی کو کہتے ہیں مثلاً جو رقم اصل زر کے طور پر دکان میں لگائی جائے وہ منال ہے اور اس کا نفع مال ہوگا - ایسے ہی ایک شخص کی اراضی یا باغ وغیرہ اس کا منال کہلائے گا جبکہ ان کی پیداوار کو مال کہا جائے گا - لہذا پہلے مصرع کا مطلب یہ ہوگا کہ بقال کی لڑکی نے شہزادی سے ہر قسم کی منقولہ و غیر منقولہ جائداد جیت لی -

صاحب شمس اللغات (ہندوستانی) اور آقای ہاشم رضی (ایرانی) نے 'منال' کے معنی 'سود و درآمد' لکھے ہیں[۱] جو شاید سہو قلم ہو - شیخ سعدی فرماتے ہیں :

بنی آدم از علم یابد کمال نہ از حشمت و جاہ و مال و منال[۲]

بعض فرہنگ نویسوں نے 'منال' کو کسر اول کے ساتھ بھی لکھا ہے[۳] - جس کے معنی اولاد کے ہوتے ہیں - اگر کوئی نثر نگار یا سخنور ، مال و منال ، کو مال اور اولاد کے معنوں میں استعمال کرے تو بھی درست تصور کیا جا سکتا ہے -

۲۷- مصلحت جوی : خسرو این طرف صباح و مسا
مصلحت جوی گشت از وزراء
(۲۷ : ۱۷)

عام طور پر یہ لفظ بھلائی' فائدہ' اور صلح' وغیرہ کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے شیخ سعدی کا مشہور جملہ ''دروغ **مصلحت** آمیز بہ کہ راستی فتنہ انگیز''[۴] بمعنی صلح و آشتی اور حافظ علیہ الرحمہ کا یہ مصرع :

مصلحت نیست کہ از پردہ برون افتد راز[۵]

یعنی فائدہ نہیں ہے -

لیکن یہاں یہ اصطلاح 'صلاح مشورہ' کرنے کے لئے استعمال ہوئی ہے یعنی بادشاہ صبح شام اپنے وزراء سے صلاح مشورہ کرتا رہتا تھا - ان معنوں میں یہ اصطلاح بہت نادر ہے اور ہمیں کسی فرہنگ میں نہیں مل سکی .

۱- رک : شمس اللغات ، بتصحیح جوزف ، کلکتہ ۱۲۲۰ھ ق اور فرہنگ کا وہ ، تہران ۱۳۳۸ھ ش -
۲- کریمای سعدی ، سیالکوٹ ۱۲۹۱ھ ، ص ۵
۳- فرہنگ لغات باز یافتہ ، اثر ادیب طوسی ، تبریز ۱۳۴۳ھ ش -
۴- گلستان ، بتصحیح قریب ، ص ۱۷
۵- دیوان حافظ ، بتصحیح قزوینی ، ص ۱۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۸- معلوم : شد پس از چند روز در پیشش
کرد معلوم حالت خویشش (۶۵ : ۲)

'معلوم' نہ صرف فارسی کے کلاسیکی ادب بلکہ آج کے ایرانی محاورے میں بھی 'ظاہر' کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے مثلاً کہتے ہیں : اینکہ معلوم است دیگر یعنی یہ تو ظاہر ہی ہے -

'کرد معلوم' یعنی ظاہر کی (اپنی حالت اس پر) آنند راج اور غیاث وغیرہ میں اس لفظ کے ایک معنی 'مال و زر' کے بھی لکھے ہیں لیکن بغیر شاہد کے ، اس لئے تصدیق نہ ہو سکی -

۲۹- نسر طائر : چو دیدہ گیسوی او نسر طائر
بدام آرزویش بستہ خاطر (۷ : ۱)

نسر واقع : بہ پیش روی آن خورشید لامع
چو ذرہ محو گشتہ نسر واقع (۷ : ۲)

نسر کے لفظی معنی چونچ سے گوشت وغیرہ کو کاٹنے کے ہوتے ہیں - اسی لئے ''کرگس'' کو کہتے ہیں کہ وہ بھی چونچ سے گوشت کو نوچتا اور کاٹتا ہے - نسر طائر ، قطب شمالی میں واقع ایک ستارے کا نام ہے جس کے متعلق تصور کیا جاتا ہے کہ وہ کرگسی شکل کا ہوتا ہے -

اسی طرح نسرواقع بھی کرگسی شکل کے ایک ستارے کا نام ہے جو قطب جنوبی میں واقع ہے - اساتذۂ متقدمین کے ہاں بھی کہیں کہیں اس کی مثالیں مل جاتی ہیں - مثلاً نظامی کی خسرو و شیرین اور مولانا جامی کی یوسف زلیخا میں یہ الفاظ دو ایک بار استعمال ہوئے ہیں - مثلاً

ز مہر شمع رویش گشت دائر چو پروانہ بگردش نسر طائر
فتاد از شوق سرو دل ربایش چو سایہ نسر واقع زیر پایش[1]
(جامی)

۳۰- یارد : چو بر غارت بر انگیزد سپاھی
نیارد کرد منعش ھیچ شاھی (۱۲ : ۱۰)
چو آتش در گرفتہ دامن جان
شود مشکل نیاری کشتن آسان (۲۳ : ۲۰)

یہ لفظ 'یارستن' مصدر کا مضارع ہے جس کے معنی 'توانستن' کے ہوتے ہیں - پہلے اور دوسرے شعر میں آنے والے اس مضارع کی مختلف شکلوں کے معنی بالترتیب یہ ہوں گے : کوئی بادشاہ بھی اسے روک نہیں سکتا اور تُو آسانی سے بجھا نہیں سکتا - اسی طرح مولانا محمود ہی کے ایک قصیدے میں بھی یہ لفظ انہی معنوں میں

۱- یوسف زلیخای جامی ، لکھنئو ۱۲۸۶ھ ، ص ۱۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استعمال ہؤا ہے ۔

ز خلق و خوی نکویش بیان نیارم کرد   کہ غنچۂ دھن تنگ اوست شکر بار[1]

یعنی بیان نہیں کر سکتا ہوں ۔ بوشکور بلخی کے ہاں اس کی بہتر مثال ملتی ہے :

یکی گفتش کہ ای دانای گیہان
کہ یارد کرد باتو مکر و دستان   (فرہنگ عمید)

یعنی آپ کے ساتھ دھوکہ و فریب کون کر سکتا ہے ۔

* * *

کسی ایک دانشور کے منظوم و منثور آثار کی مشکلات کی تشریح و توضیح ، ایک ایسی علمی و ادبی سنت ہے جو کئی صدیاں پرانی ہے اور اہل علم و قلم حضرات نے موجودہ دور تک اسے برابر زندہ رکھا ہے ۔ مثال کے طور پر شرح مخزن اسرار نظامی، شرح قصاید خاقانی ، شرح قصاید انوری ، شرح گلستان ، شرح مثنوی ، شرح قصاید عرفی وغیرہ ۔ عصر حاضر میں اس حسین سنت نے کروٹ بدلی اور ایک نئے روپ میں سامنے آ کر محفل علم و ادب کو رونق بخشی ہے ۔ اب اہل علم و فضل حضرات فرہنگ لغات شاہنامہ از نفیسی و شفق، فرہنگ نوادر لغات دیوان شمس از فروزانفر ، فرہنگ لغات و اصطلاحات مثنوی معنوی از فروزانفر ، فرہنگ الفاظ ترکی و مغولی در مطلع السعدین از پروفیسر مولوی محمد شفیع اور فرہنگ لغات و تعبیرت مثنوی از صادق گوہرین وغیرہ جیسے آثار پیش کر رہے ہیں ۔

میرے لئے جدید دور کے یہ آثار الہام بخش ثابت ہوئے ہیں اور میں نے اپنی کم مائگی کے باوصف اس وجیزہ میں کلام محمود منجملہ 'محمود نامہ'[2] قصیدہ اور دو مثنویوں یعنی عاشق و معشوق اور ہفت کشور ، میں استعمال شدہ تیس کے قریب نادر اور نسبتاً مشکل الفاظ و اصطلاحات کی تشریح لکھی ہے ۔ جیسا کہ قارئین کرام نے ملاحظہ فرمایا ، مذکورہ لغات و اصطلاحات میں بعض اس قدر اہم ہیں کہ ہمارے خیال میں وہ اب تک کسی باقاعدہ فرہنگ میں ضبط نہیں ہوئے مثلاً مصلحت جوی ، رہ عشاق اور حلال خوار وغیرہ ۔ چند الفاظ ایسے ہیں جو اگرچہ بعض فرہنگوں میں درج ہیں لیکن ان کے وہ معانی ثبت نہیں کئے گئے جن معنوں میں محمود نے انھیں استعمال کیا ہے اور علم لغت کے آثار میں پہلی بار ان کے نئے معنی کو درج کیا جا رہا ہے مثلاً سلطان بمعنی شہزادہ ، دست بمعنی طرف وغیرہ ۔ بعض کلمات کے ایسے نئے اور نادر معانی کا تعارف بھی کرایا جا رہا ہے جو صرف کسی ایک فرہنگ میں درج ہیں اور مشہور فرہنگوں میں وہ معانی مسطور و مذکور نہیں مثلاً شدن ، بمعنی رسیدن

۱۔ مآثر رحیمی از عبدالباقی نہاوندی ، کلکتہ ۱۹۳۱ء ، ۳ : ۱۳۷۲ ۔
۲۔ جو دراصل اس کی غزلیات کا مجموعہ ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور بمعنی آمدن اور' بود' بمعنی ہوگا وغیرہ ۔ متعدد کلمات ایسے ہیں جن کے مرادی معانی تو فرہنگوں میں درج ہیں لیکن ان کی حقیقت اور پس منظر کو کسی نے تحریر کا جامہ نہیں پہنایا مثلاً چشم زخم ، دستار خوان و دوستگانی ، اور سرکہ فروشی وغیرہ ۔ بعض الفاظ ایسے ہیں جن کے معانی تو کسی نہ کسی فرہنگ میں درج ہیں لیکن مثال نہ تھی ۔ نہ صرف محمود کے شعر سے متعلقہ لفظ کے لئے ایک مثال فراہم ہو جاتی ہے بلکہ ہم نے اس کی دو ایک مزید مثالیں بھی تلاش کی ہیں مثلاً ذیل اور زبردست وغیرہ ۔

مجموعی طور پر ان نادر لغات کی اہمیت کا مختلف پہلوؤں اور زاویوں سے جائزہ لیا جا سکتا ہے مثلاً علمی و ادبی ، تاریخی ، سوانحی اور تہذیبی وغیرہ ۔

نادر لغات کے بغور مطالعہ سے جہاں ایک طرف قاری کی علمی و ادبی معلومات میں معتد بہ اضافہ ہوتا ہے وہاں ساتھ ہی ایک شاعر یا دانشمند کے فکر و فن کو سمجھنے میں بھی بڑی مدد ملتی ہے۔ جب تک پڑھنے والے کو یہ معلوم نہ ہو کہ 'بود' کے معنی کبھی 'ہوگا' بھی ہوتے ہیں اور 'شد' کبھی 'آمدن و رسیدن' کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے اور 'زبردستی' کبھی اونچائی کی طرف ، کے لئے بھی آتا ہے اس وقت تک نہ وہ شعر کو صحیح طور پر سمجھ سکے گا اور نہ شاعر کے لئے ہی اپنے کمالات کا بھرپور اور بتمام و کمال اظہار ممکن ہے ۔ نادر لغات و اصطلاحات کے استعمال سے نہ صرف متقدمین کی علمی و ادبی روایات کو زندہ رکھا جا سکتا ہے بلکہ معاصرین ان روایات کو آگے بڑھا کر آیندہ نسلوں کے لئے وسعت علمی اور رفعت فکری کا سامان مہیا کر سکتے ہیں ۔

علاوہ ازیں آج اگر سارے نہ سہی تو کم از کم بڑے بڑے شعراء اور دانشوروں مثلاً فردوسی ، انوری ، علی ہجویری ، نظامی ، خاقانی ، سنائی ، مسعود سعد ، عطار ، غزالی ، رومی ، سعدی ، امیر خسرو ، حافظ ، جامی ، عرفی ، نظیری ، بیدل ، غالب اور اقبال ایسے اساتذہ کے آثار میں بیان شدہ نادر لغات و اصطلاحات کو الگ الگ بیان اور ترتیب دے لیا جائے تو نہ صرف شعر و شاعری کو بے پناہ فروغ حاصل ہوگا بلکہ اس سے علم لغت یا فرہنگ نویسی (لغات و اصطلاحات ، علم معانی (حقیقی و مجازی) ، علم بیان (صنائع و بدائع) علم دستور (صرف و نحو) ، اور علم تاریخ (ادبی و سیاسی) وغیرہ پر تحقیقی و تنقیدی کتب لکھنے والوں کی بھی صحیح خطوط پر راہنمائی ہو سکتی ہے ۔

تاریخی اہمیت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو بھی نادر لغات و اصطلاحات کا مطالعہ از بس ضروری ہے کیونکہ جب تک ایک مورخ یا تاریخ کے استاد اور طالب علم کو یہ معلوم نہ ہو کہ 'حضرت' کے معنی 'دارالخلافہ' کے بھی ہوتے ہیں اور 'سلطان' سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مراد کبھی شہزادہ بھی لیا جاتا تھا اور 'بندگان و ملازمانِ اعلیٰ حضرت' کا مطلب خود بادشاہ ہوتا ہے اور 'بندگی ایشان' کا مقصد دراصل خود حضرت صاحب لیا جائے گا اور غلام عبدالقدوس ، حقیقت میں وہ اپنے آپ کو کہہ رہے ہیں اور خدمت شیخ ابوالفضل ، سے مراد 'جناب شیخ ابوالفضل ، لیا جائے گا اور خدام خواجہ ناصرالدین کا مطلب خود خواجہ ناصرالدین ہوگا اور 'مصحوب' کے معنی بذریعہ ہوتے ہیں ، وغیرہ اس وقت تک وہ تاریخی حقائق کو نہ صحیح طور پر سمجھ سکتے ہیں اور نہ بیان ہی کر سکتے ہیں -

ان لغات کی سوانحی اہمیت پر نگاہ ڈالی جائے تو بھی ان الفاظ کے صحیح مفہوم کا جاننا ناگزیر نظر آتا ہے - مثال کے طور پر جب تک معلوم نہ ہو کہ 'خدمت یا حضرت' کے معنی کیا ہیں تو کسی بادشاہ یا وزیر کے حالات سے متعلق معلومات کے غلط ہو جانے کا بہت اندیشہ ہے - 'خدمت شیخ ابوالفضل گفت' کے معنی اگر کوئی یہ سمجھ لے کہ 'شیخ ابوالفضل کی خدمت میں کہا گیا ، تو حقائق بدل جائیں گے - مثلاً 'شیفتہ حال' سے کوئی یہ سمجھے کہ وہ فریفتہ و والہ ہے تو سوانحی حقیقت بدل جائے گی -

تہذیبی و تمدنی نقطہ' نظر سے دیکھیں تب بھی ان نادر لغات کی اہمیت اظہر من الشمس ہے- مثلاً معاشرے کے ایک پست ترین طبقے کو جو حرام خوری سے بھی دریغ نہ کرتا ہو حلال خور ، کہنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کمتر کو مہتر کہہ دے - اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی تہذیب میں دل آزاری سے بچنے اور کسی کو احساس کمتری سے بچانے پر کتنی توجہ دی جاتی ہے - اسی طرح 'مصلحت جوی' اور 'بہ ذیل عطا و کرم پوشیدن' سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی تہذیب میں ، مشورہ کرنے اور خطا پوشی کو کتنی اہمیت دی جاتی ہے -

دوستگانی ، بند باف اور علم سیمیا جیسی تراکیب و الفاظ سے اس دور کی ہندوستانی تہذیب کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے - ایسے ہی 'چار میخ کردن' اور 'دور باش' جیسی اصطلاحیں ، اس زمانے کے تمدنی نقوش کو ہمارے اذہان پر اجاگر کرتی ہیں -

غرض گونہ‌گوں اہمیت کے پیش نظر ، متقد مین و متوسطین کے آثار سے اس قسم کی نادر لغات و اصطلاحات کا استخراج اور ان کا استدراک نہ صرف ادب و تاریخ کے ہر طالب علم کے لئے بے حد مفید ہے بلکہ تحقیق و تنقید کی مہم کو آگے بڑھانے کے لئے ناگزیر بھی ہے -

© rasailojaraid.com